تحقیق کی اصطلاحات

حواشی تعلیقات، مفروضہ، کتابیات

حواشی۔تعلیقات:

تحقیق میں صحیح متن یا تحقیقی مواد پیش کرنا ایک مفید علمی کام ہے۔لیکن اس کی اہمیت اور افادیت حواشی اور تعلیقات کے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے۔یہ جدید تحقیق کا ایک لازمہ متصور ہوتے ہیں اور ان کے بغیر کی گئی تحقیق معتبر نہیں مانی جاتی۔ان کے ذریعے مختلف ماخذ اور معلوم حقائق کی روشنی میں توضیحی روایات کی تصدیق ہوتی ہے۔

حواشی سے مراد وہ تحریر ہے جس سے متن میں شامل کرنے کی بجائے صفحہ کے نچلے حصے میں متن سے علیحدہ کر کے لکھا جاتا ہے۔اس ضمن میں سعید الدین لکھتے ہیں کہ تحقیق میں حواشی کا استعمال کوئی نئی چیز نہیں۔ مسلمان مفسرین نے قرآن مجید کے معنی مطلب کو احسن طریقے سے سمجھانے کے لیے حواشی کا ذریعہ بنایا جس میں نہ صرف اپنی سوچ کی وضاحت کی بلکہ دیگر ہم مفسرین کی رائے سے قاری کو آگاہ کیا۔

ڈاکٹر گیان چند نے اپنی کتاب ''تحقیق کا فن ''میں حواشی کے مقاصد بتائے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1. متن کے بیان کی تشریح یا صراحت۔
2. متن کی اغلاط کی تصحیح۔
3. متن سے متعلق مزید معلومات بہم پہنچانا۔

4. اختلافی مسائل میں متن سے مختلف نقطہ نظر پیش کرنا۔
5. اگر متن میں کسی دوسری زبان کے مثلاً) عربی، فارسی، انگریزی (مواد کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے تو فٹ نوٹ میں اصل زبان کے الفاظ دینا۔
6. کسی کے شکریے کا اعتراف۔

حواشی کے ذریعے جہاں مختلف مصنفین اور کتب سے استفادے کا اعتراف ملتا ہے وہیں محقق کے مواد کے مستند ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ دوسرے متن میں جو بات کہی جائے اس کے متعلق مزید معلومات یا تشریح حواشی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ عبدالرزاق قریشی اپنے مضمون " مقالہ کی تسوید" میں رقمطراز ہیں۔

"تحقیقی مقالہ بڑی حد تک دوسرے مصنفین کی کتابوں اور تحریروں دستاویزات وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لئے حاشیہ میں ان کا اعتراف کرنا اور انہیں اہمیت دینا نہ صرف ضروری بلکہ محقق کا اخلاقی فرض ہے"

تحقیق میں حواشی اور تعلیقات نگاری کی طرف توجہ دینا لازم ہے۔

کسی کتاب کے متن کے بعد وہ اضافی حصہ جس میں متن کے متعلق معلومات دی گئی ہوں لیکن وہ ایسی ہوں جنہیں متن میں نہیں دیا جا سکتا تعلیقہ یا ضمیمہ کہلاتا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ کے متن کے بعد دیا جاتا ہے۔ عبدالرزاق قریشی اپنے مذکورہ مضمون میں لکھتے ہیں کہ ایسا مواد جو متن کے لیے ضروری نہ ہو یا متن کے حسن کو مجروح کرتا ہوں۔ لیکن جس سے مصنف کے بیان یا بیانات کی مزید تائید ہوتی ہو۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر دیا جائے۔ بعض اوقات کتابت کی طباعت کے دوران مفید مواد حاصل ہوتا ہے

اسے بھی ضمیمے کے طور پر شامل کیا جائے۔ مقالہ یا کتاب کے مختلف پہلوؤں کی مناسبت سے ایک سے زیادہ ضمیمے ہو سکتے ہیں۔ نقشہ، ڈائگرام وغیرہ بھی ضمیمہ کے طور پر دیے جا سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ حصہ مکالہ کا اہم حصہ نہیں مگر اس سے کسی کتاب، جگہ یا شخص سے متعلق جزوی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ تحقیق میں حواشی اور تعلیقات کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

متن کی صحت سے متعلق باتیں یعنی تلفظ، تذکیر و تانیث مصنف کی لکھی ہوئی مختصر تعلیقات۔

جملوں عبارتوں، اشخاص اور مقامات کا تذکرہ نیز غیر معروف تلمیحات اور متروک الفاظ کے معنی اور ان کے ساتھ مصنف کی لکھی ہوئی طویل تعلیقات۔

پہلی قسم کے حواشی متن کے ساتھ یعنی اس صفحہ کے نیچے دیئے جائیں تو بہتر ہے۔ تاہم دوسری قسم کے حواشی کو متن کے خاتمہ پر رکھنا بہتر ہے تاکہ قاری کی توجہ اصل متن سے ہٹنے نہ پائے۔ متن کی عبارت اور حواشی میں فرق کرنے کے لئے درمیان میں ایک لکیر کھینچ دینا ضروری ہے۔ حواشی اور تعلیقات کے ضمن میں چند باتوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں۔

- حواشی کی عبارت کے حروف متن کی عبارت کے حروف سے نمایاں ہونے چاہیں۔
- اگر حاشیہ میں اقتباس دیا جائے تو واوین" "میں ہو اور اس کے خاتمہ پر قوسین میں اس کے ماخذ بتا دینا چاہیے۔
- حواشی یا تعلیقات لکھتے وقت اختصار اور جامعیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔
- اگر ایک صفحہ پر دو یا دو سے زیادہ حوالے ہوں تو ایک حوالے کے نیچے دوسرا حوالہ دیا جائے ۔ مسلسل نہ دیا جائے لیکن اگر ایک ہی بیان کے دو یا اس سے زیادہ حوالے دینا ہو تو سب کو ایک قطار میں دینا چاہیے اور درمیان میں سیمی کولن لگاتے جائیں۔
- اگرچہ حوالہ دینے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں لیکن جو طریقہ یا اصول بھی اختیار کیا جائے اس کی پابندی آخر تک کرنی چاہیے۔ مکمل حوالے میں مصنف کا نام، کتاب کا نام، ایڈیشن، مقام اشاعت،

سال اشاعت، جلد، باب اور صفحہ نمبر ضرور دینا چاہیے۔ ڈاکٹر عبدالرزاق نے اپنے مضمون ''مقالہ کی تسوید''میں مختلف کتابوں، کلاسیکی، لغت، انسائیکلوپیڈیا کے مضمون کا حوالہ، مرتبہ کتاب اور کسی کتاب کے مقدمہ کا حوالہ، کے مختصر طریقہ درج کیے ہیں۔ درج ذیل مثالیں اسی قبیل کی ہیں۔

۱۔ محمد حسین آزاد، آب حیات، طبع یازدہم صفحہ 101

اگر فوراً اسی مصنف اور اسی کتاب کا حوالہ دینا ہو تو وہ حسب ذیل ہو گا۔

ایضاً، ص215

۲۔ کسی کتاب کے مقدمہ کا حوالہ یوں ہو گا۔

بیگم مہدی حسن، مرتبہ، مکاتیب مہدی، مقدمہ از مولانا سید سلیمان ندوی، ص5۔

۳۔ انسائیکلوپیڈیا کے مضمون کا حوالہ بالترتیب حسب ذیل ہوں گے۔

عبدالمجید سالک، ''آزاد''اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد1، ص114۔

لغت کے حوالے کے لیے۔

سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد دوم۔

لغت کے حوالے میں صفحہ کا نمبر بتانے کی ضرورت نہیں۔

کلاسیکی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف کا نام دینا ضروری نہیں مثلاً

باغ و بہار، جامعہ ایڈیشن، سیر پہلے درویش کی، صفحہ 34۔

ان مثالوں کی روشنی میں بقول عبدالرزاق قریشی محقق نئے نئے حوالے خود بنا سکتا ہے۔

کسی متن کے سلسلے میں مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات کی طویل فہرست بھی ہو سکتی ہے۔ایسی صورت میں اشاریات کی فہرست کو شامل کیا جا سکتا ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر نورالسلام صدیقی کہتے ہیں:

"کتابیات کی طرح اشاریات بھی) جزوی (تحقیقی مقالہ ہے۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی قاری، محقق، نقاد یا تبصرہ نگار کسی جگہ یا کسی نام کو تلاش کرنا چاہے تو اشاریات اس کی نشاندہی کر دے گا۔) "ریسرچ کیسے کریں(

مفروضہ:

تحقیق کا آغاز کسی نہ کسی مسئلہ یا دشواری سے ہوتا ہے۔ محقق اپنی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کر کے اپنے مقصد کے حصول کی کوشش کرتا ہے تاکہ اسے صحیح حل میسر آ سکے۔اس لیے بہتر یہ ہے کہ محقق اپنی دشواریوں اور موضوع سے متعلق مسائل کا واضح نقشہ سامنے رکھے اور ان کے حل کے لئے مفروضہ تشکیل دے۔ مفروضہ کے معنی ڈاکٹر جمیل جالبی کی مرتب کردہ قومی انگریزی لغت میں حسب ذیل ہے کہ:

''فرضیہ، بے دلیل دعویٰ، قیاس، کوئی دعوی جو استدلال کے طور پر پیش کیا گیا ہو، مصدقہ معلومات کی بنا پر قائم کردہ قیاس جو کسی واقعہ کی عارضی تشریح کے طور پر پیش کیا جائے) جیسے سائنس میں (۔تاکہ مزید تحقیق کی جاسکے۔ عموماً محض مفروضہ یا قیاس فرض کی ہوئی بات۔''

تحقیقی عمل میں مفروضہ ایک اساسی حیثیت رکھتا ہے اور مفروضات کی اہمیت مسلم ہے۔اس سلسلے میں یہ ضروری نہیں کہ مفروضات تحقیق کے دوران صحیح ثابت ہو لیکن صحیح یا غلط دونوں صورتوں میں تحقیق لازماً کرنا پڑتی ہے۔ لہذا مفروضات کا ذہن میں رہنا اور ان کا نقشہ واضح ہونا لازمی ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر اختر ش اختر رقمطراز ہیں۔

''مفروضات کا ذہن میں صاف نقشہ موجود رہنا ضروری ہے۔جب یہ احاطہ تحریر میں آگیا تو اسے پانے کیلئے مفروضات کے تمام چھوٹے بڑے نکات ابھر آتے ہیں۔ جنہیں سکالر حقائق کی روشنی میں پرکھتا ہے۔اگر مفروضہ درست نہیں ہے یا سرے سے بنایا ہی نہیں گیا ہے تو سکالر کا ذہن کبھی منطقی طور پر سوچ بھی نہیں سکتا۔اس کی تحقیق آگے نہیں بڑھ سکتی۔ گویا مفروضہ کی اہمیت و نوعیت نگران کی سی ہوتی ہے۔جو ہر لمحہ سکالر کو ہدایت دیتا رہتا ہے۔اگر ہدایت کا یہ سر چشمہ ہوشیاری، دیانت اور بہتر طور پر تیار نہیں کیا گیا ہو تو تحقیق مکمل نہیں ہو گی''

(اصول تحقیق مرتبہ اہم سلطانہ بخش ص۔148)

مفروضہ محقق و حقائق اور اعداد و شمار سے واقف کرتا ہے۔ مفروضے کے ذریعے ہی محقق پر اپنا نقطہ نظر واضح ہوتا ہے اور اس کے بغیر کسی بھی قسم کی تحقیق ممکن نہیں۔ایک بار جب محقق موضوع اور اس کی نوعیت کو سمجھ لیتا ہے تو اپنی راہ میں حائل دشواریوں کے حل کیلئے ایک خاکہ ضرور بناتا ہے۔ مفروضہ اس

خاکے کے بالکل ٹھیک تو نہیں البتہ ایک حد تک صحیح جواب دیتا ہے۔ یہ قریب تر جواب تحقیق کی راہیں کھول دیتا ہے۔

مفروضہ ایک نہیں ہوتا بلکہ اس کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اقسام مجرد تصورات کی بنا پر ہی کار آمد ہوتی ہیں۔ پھر مختلف سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ مفروضہ کا ماخذ کیا ہے؟ اور یہ ہمیں کہاں سے ملتا ہے؟ اس کیلئے ہمیں ادبی تاریخ کے سمندر میں غواضی کرنی پڑتی ہے۔ پھر عوامی عقائد، تصورات اور نظریات کی اساس پر بھی مفروضات بنائے جاتے ہیں۔ محقق عصری شعور، علوم کو بھی مد نظر رکھ سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اردو ادب کا تحقیق کار صرف میر اور غالب تک ہی اپنی تحقیق کو محدود رکھے اور اپنے کلاسیکی ادبی سرمایہ کی بنیاد پر ہی مفروضے کا کھوج لگائے۔ مثال کے طور پر وہ اردو ادب میں فیملی پلاننگ پر تخلیق کیے گئے ادب کو موضوع بنا سکتا ہے اور پھر اس طرح کا مفروضہ تشکیل دے جس سے اس حقیقت کا پتہ چلے کہ فیملی پلاننگ اس لئے عام نہیں ہو سکتی۔ وہاں موجود ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ اس طرح کا ادب صرف کلاسیکی ادبی سرمایہ کی نمائندگی نہیں کر سکتا بلکہ یہ ادب عصری شعور کے زیر اثر تخلیق کیا گیا ہے۔ مفروضہ محقق کو مجبور کرے گا کہ بدلتے ہوئے حالات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائے۔

مفروضات نظریات کی دین بھی ہوتے ہیں۔ ان میں تائید اور تردید دونوں عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ مثلاً مارکسی جمالیات پر اگر تحقیق کی جا رہی ہے تو ضرورت اس امر کی ہو گی کہ مارکسزم اور جمالیات دونوں کے مختلف دبستانوں کا محاکمہ کیا جائے۔ ان میں سے اگر ایک کی تائید یا تردید مقصود ہے تو مفروضہ کی ہیئت میں ویسی ہی تبدیلی کرنا ہوں گی اور بنیادی باتیں پیش نظر رکھنا ہو گی ۔اس طرح محقق اگر اردو زبان کو کلچر کے فارم میں دیکھنا چاہے تو اسے اپنے مفروضے کو کلچر کی تعریف اور اس کی وسعت کی روشنی میں ترتیب دینا ہو گا۔ اچھی اور کامیاب مفروضہ میں تجربہ اور تخیل دونوں لازم ہیں۔

ڈاکٹر ش اختر نے اپنے مضمون موضوع کا انتخاب میں مفروضہ کی چند خصوصیات کا جائزہ لیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

1. ایک مفروضہ تجزیاتی نقطہ نظر سے قابل قبول ہو تاکہ ضروری نتائج بر آمد ہو سکیں۔
2. مفروضہ ایسا ہو جس پر تحقیق کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہو۔ جہاں مشاہدات اور مطالعہ کے ذریعہ حقائق کی از سر نو تشریح و توضیح ممکن ہو۔
3. ہر تصور اور نظریہ کی وضاحت ہونی چاہیے۔ کوئی چیز پیچیدہ اور گنجلک نہ ہو۔
4. مفروضہ کا غیر صحیح ہونا ضروری ہے اور کوئی عمومی بات نہیں ہونی چاہیے۔
5. مفروضہ سائنسی بنیادوں پر تعمیر ہونا چاہیے۔

کتابیات:

تحقیقی عمل کے دوران محقق نے جن کتابوں، رسائل، بیاض اور قلمی نسخوں غیرہ سے استفادہ کیا ہوتا ہے۔ مقالہ کے آخر میں ان کی ایک فہرست بنا لینی چاہیے۔ اس سے قاری اور ممتحن کو ایک تو کتاب کے ماخذ معلوم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مواد کے مستند ہونے اور اس کی اہمیت اور افادیت سے بھی آگاہی ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں عبدالستار دلوی اپنے مضمون مقالہ کی پیشکش میں رقمطراز ہیں:

" معاون کتابوں کی فہرست کا مقالے میں ایک اہم مقام ہوتا ہے۔ قاری اور ممتحن کو اس کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ محقق کے لیے حقائق اور معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ کیا تھا۔ ہر مقالے میں معاون کتابوں کی فہرست لازمی طور پر ہونی چاہیے۔"

(اردو میں اصول تحقیق مرتبہ ایم سلطانہ بخش ص(335

کتابیات کی فہرست در حقیقت محقق کے جذبہ تجسس اور ذوق مطالعہ کی بھی آئینہ دار ہوتی ہے۔ کتابیات کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دینا چاہیے۔ کتاب ہمیشہ مصنف کے نام کے اعتبار سے درج کی جانی چاہیے کتاب کے نام سے نہیں۔ کتاب کا نام صرف اس صورت میں پہلے آئے گا جب مصنف کا نام معلوم نہ ہو یا اس کی کوئی اہمیت نہ ہو جیسے "تاریخ ادبیات " "مسلمانان پاکستان و ہند "اور "فرہنگ آصفیہ "وغیرہ۔

کتابیات محض نام گنوانے پر مشتمل نہ ہو بلکہ جو کتابیں بھی براہ راست موضوع سے متعلق ہوں اور جن کتابوں سے محقق فیض یاب ہوا ہو اسے فہرست میں شامل کرنا چاہیے۔ کتابیات میں جس کتاب کا ذکر کیا جائے اس میں مصنف کا نام، کتاب کا نام، ناشر اور سن اشاعت موجود ہونا چاہیے۔ کتابیات کی تفصیل اس طرح ہو گی:

آذر، لطف علی بیگ :آتش کدہ، مخطوطہ مخزونہ قومی عجائب گھر کراچی مکتوبہ 1201ھ۔
آزردہ، مفتی صدر الدین، تذکرہ آزردہ۔ مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد۔ کراچی 1974ء۔

اگر کسی ایسے مقالے کا ذکر ہو جو کتابی شکل میں چھپنے کی بجائے کسی رسالے میں شائع ہوا ہو تو کتابیات کی فہرست میں اس مقالے کے بارے میں حسب ذیل معلومات درج کرنی چاہیے:

- مقالے کا نام
- مصنف کا نام
- رسالے کا نام
- شمارہ نمبر
- سن اشاعت

اس کی تفصیل کچھ یوں ہو گی۔

انصار اللہ محمد ''خالق باری اور اصول تحقیق ''اورینٹل کالج میگزین 3\ 54۔

مصطفی خان ڈاکٹر، ''فن تحقیق''نقوش، جنوری 1944ء۔

اگر کتاب غیر مطبوعہ ہو تو یہ بھی بتانا چاہیے کہ کتاب قلمی ہے۔یا فلاں شخص کے پاس موجود ہے یا فلاں کتب خانے کی فہرست میں اس کا نمبر یا نشان یہ ہے۔اگر معلوم ہو سکے تو یہ بھی بتانا چاہیے کہ اس کا سن کتابت کیا ہے۔

کتابیات کی فہرست طویل ہونے کی صورت میں انہیں موضوع کے اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر گیان چند نے اپنی کتاب ''تحقیق کا فن ''میں کتابیات کی گروہ بندی کچھ اس طرح سے کی ہے۔

1. ایک ادیب سے متعلق مقالے میں کتابیات کو بنیادی آخذ اور ثانوی ماخذ میں تقسیم کر سکتے ہیں اور بعد میں ماخذ میں مختلف تحریریں اور ان کے مختلف نسخے اور ایڈیشن آتے ہیں۔ ثانوی ماخذ میں اس سے متعلق سوانحی، تنقید اور تحقیق کی کتابیں اور مضامین وغیرہ آتے ہیں۔
2. کتابیات کی زمانی اعتبار سے گروہ بندی کر سکتے ہیں اور یہ گروہ بندی ان مقالوں میں کی جاتی ہے جو بالخصوص اصناف سے متعلق ہو۔ مثلاً تذکروں یا مثنویوں میں اٹھارویں صدی، انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے تذکروں یا مثنویوں کو الگ الگ تقسیم کر سکتے ہیں۔
3. کتابیات کی علاقے کی بنا پر بھی گروہ بندی ہو سکتی ہے اور یہ بھی ایک اصناف مخصوص ہو گی۔ مثلاً داستانوں کے ضمن میں مقالے میں دکن کی داستانیں، دہلی کی داستانیں، رام پور کی داستانیں، لکھنو کی داستانیں اور دوسرے علاقوں کی داستانیں الگ الگ دی جا سکتی ہیں۔

4. بہترین تقسیم وہ ہے جو موضوع اور مقالہ کو پیش نظر رکھ کر کی جائے۔ مثلاً موضوع سے متعلق تحقیقی کتابیں، تذکرے، دوسری تحقیقی و تنقیدی کتابیں۔ ان میں مضامین کے مجموعے نہیں لیے جائیں گے۔ بلکہ محض واحد موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کو درج کیا جائے گا۔

5. حوالے کی کتابیں لغت وضاحتی فہرست کتب، قاموس و عربی لغت اشارے وغیرہ زمرے کی کتابوں کو مصنف کی اضافی ترتیب سے درج کیا جائے گا۔

حاصل کلام کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کتابیات کو تحقیقی عمل میں ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے بغیر نہ تو بات قبولیت کا درجہ پاتی ہے اور نہ ہی بغیر حوالے کے دلیل باوزن ہوتی ہے۔ نیز محقق تحقیق کے کام کو آگے بھی نہیں بڑھا سکتا۔ علامہ عتیق مکرمی میں لکھتے ہیں کہ :

”کتاب مردہ ہوتی ہے اور محقق زندہ ہوتا ہے۔ تو کتابیات کی تو کوئی اہمیت ہی نہ رہی۔ یہ دونوں چیزیں تو لازم و ملزوم ہیں۔ کتاب محقق کو زندہ کرتی ہے۔ دراصل کتاب ایک اچھی تحقیقی کتاب ہوتی ہے۔ وہ مصنف کے ساتھ ساتھ محقق کو زندہ کر جاتی ہے اور آنے والا محقق وہ کتابیں جو گرد و غبار سے الماریوں میں بند ہوتی ہیں ان کو نکال کر ان کے حوالے دیتا ہے۔ تو اس کتاب کو بھی اور مصنف کو بھی زندہ کر جاتا ہے۔“